قومی میزانیہ کی تشکیل میں اسلام کے اصول، امام ابویوسف کی آراء کا جائزہ

(Principles Of Islam in Formation of National Budget, Analysis of the Openions of Imam Abu Yousaf)

Dr. Muhammad Tariq Ramzan [1]
Dr. Abdul Ghafoor [2]

Abstract:
Since the advent of human socities, the state has been menifestation of the congregation and an integral part of societies. There has never been a state in human history that has introduced so many social reforms in a short period of time as first Islamic State produced in its early times. First Islamic state gave a set of rules for national budget as it is manifestation of social responsibility of the state. National budget prepared by the government comprises on two basic elements of any budget: the revenues and expenses. Through the budget, the government presents its anticipated revenues (tax revenues, income tax, corporation tax, import taxes) and planned government expenditures, spending for Healthcare, Education, Defence, Roads, State Benefit etc for the coming financial year. In most parliamentary systems, the budget is presented to the legislature and often requires approval of the legislature. Through this budget, the government implements economic policy and realizes its program priorities. National budget is a subject of importance for a variety of reasons such as planned approach to the government's activities, integrated approach to fiscal operations, affecting economic activities, instrument of economics policy, index of government's functioning, public accountability, allocation of resources, GDP growth, elimination of poverty, reduce inequality in distribution of income. Islamic jurist Abu-Yousuf has the credit to present first book comprises on government revenues & espenses and their procurment. In this study, the reforms introduced by Imam Abu-Yusuf (d.798) for state revenue and ependitures has been discussed.
Keywords: *Government, sovereignty, Revenue, Expenses, Social welfare*

تعارف موضوع

اسلامی ریاست کے مقاصد میں ایک اہم مقصد تمام افراد معاشرہ کی معاشی و معاشرتی بہبود کا تحفظ ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کے مقاصد کے بارے میں ابن خلدون (م808ھ) نے لکھا ہے:

الرياسة والملك هي كفالة الخلق وخلافة ا للة فى العباد وتنفيذ احكا مه فيهم۔[3]

(ریاست کا مقصد عوام کی (معاشی، اخلاقی و تہذیبی) کفالت، خلافت الٰہی کا قیام اور اللہ کے احکام کو ان میں نافذ کرنا ہوتا ہے۔)

ریاست کے معاشی و معاشرتی کردار اور ذمہ داری کے لحاظ سے قومی میزانیہ (Budget) ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اسلام نے قومی میزانیہ (بجٹ) کے اسالیب اور اصول واضح انداز میں بیان کیے ہیں۔ اس کی اساس اس بات پر ہے کہ قومی آمدنی کا

[1] ۔اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس

[2] ۔اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، منڈی بہاؤالدین کیمپس

[3] ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، مقدمۃ ابن خلدون (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، 2000ء) ص:113۔

صحیح تخمینہ لگا کر اس کو مختلف مصارف میں عادلانہ طور پر خرچ کیا جائے تاکہ اس سے معاشرہ اور فرد کی معاشی زندگی میں بہتری آسکے۔ اسی لئے اسلام میں معیشت کی بنیاد، معاصر معاشی نظاموں کے برعکس محدود خواہشات (بنیادی ضروریات) اور لا محدود وسائل پر قائم ہے۔ عموماً قومی میزانیے (National Budget) کے دو مؤسسات ہیں: آمدن / محصولات اور خرچ۔ اسلام نے ان دونوں بنیادوں کے اصول واضح کیے ہیں جن کو تقریباً اسلامی مالیات کے تمام معاشی مفکرین نے واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ دوسری صدی ہجری میں اس موضوع پر کتب کی تیاری کا کام شروع ہوا۔ ان میں امام ابویوسفؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سرکاری سطح پر قومی میزانیہ کی تیاری میں شعبہ مالیات کی راہنمائی کے لئے عام فقہی آراء سے الگ، خالص اقتصادی فکر پر مبنی کتاب پیش کی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہارون الرشید (170۔193ھ / 786۔809ء) کے عہد کے معاشی حالات سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ کتاب الخراج کا موضوع وہ معاملات ہیں جو حکومت اور رعایا کے مابین رونما ہوتے ہیں اور جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ مملکت کا نظام چلاتے وقت حکومت کی پالیسی کس طرح کی ہونی چاہیے، مثلاً بندوبست اراضی، نظام آبپاشی، نظام محصولات، قوانین جرائم، غیر مسلموں کے ساتھ رویہ وغیرہ، اسلامی اسالیب معیشت کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ ابویوسفؒ نے قومی میزانیہ کے محصولات اوراخراجات کی جو مدات بیان کی ہیں، درج ذیل سطور میں ان کا جائزہ پیش خدمت ہے۔ لیکن اس سے پہلے دوسری صدی ہجری اوران کے پیش رو اہل علم کی ایک جھلک پیش خدمت ہے۔

موضوع پر اہل علمی کاوشیں

امام ابویوسف کی تصنیف "کتاب الخراج" سے متاثر ہو کر اہل علم کی ایک معتد بہ تعداد نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ امام ابویوسف کی مثال اس ضمن میں بارش کے پہلے قطرے کی سی ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس موضوع پر جو کام بھی ہوا وہ آپ کے کام سے بے نیاز نہ ہو سکا۔ مصطفیٰ بن عبد اللہ، حاجی خلیفہ (م 1067ھ / 1657ء) نے اپنی کتاب " کشف الظنون " میں خراج کے موضوع پر ایسی چار کتب کے نام تحریر کئے ہیں جو امام ابویوسف کی کتاب الخراج کے بعد تحریر کی گئیں۔[1] محمد بن اسحاق الندیم (م438ھ / 1047ء) نے " الفہرست " میں ایسی پندرہ کتب کے نام گنوائے ہیں۔[2] اس ضمن میں متقدمین اہل علم کی چند کاوشوں کا ذکر درج ذیل ہے:

کتاب الخراج ،ابو زکریا یحییٰ بن آدم القرشی (م 203 ھ / 818ء) ،کتاب الخراج ،ابو علی الحسن بن زیاد اللولوی (م204ھ / 819ء) ،کتاب الخراج ،ابو عبدالرحمٰن الہیشم بن عدی الثعلی (م207ھ / 822ء)،کتاب الخراج،احمد بن محمد بن عبدالکریم بن ابی سہل الاحول (م207 ھ / 822ء)، کتاب الخراج ،عبدالملک بن قریب الاصمعی (م213ھ / 828ء)، کتاب الخراج ،ابو محمد جعفر بن مبشر الثقفی (م234ھ / 848ء)، رسالته ابی النجم بالخراج ،ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ (م255ھ / 869ء)، کتاب الخراج ،ابو سیلمان داؤد بن علی ظاہری (م270ھ / 884ء)،ا لخراج الکبیر ،احمد بن محمد بن سلیمان بن بشار الکاتب (م270ھ / 884ء)، کتاب الخراج، ابو القاسم عبیداللہ بن احمد بن محمد (م 336ھ / 947ء)، کتاب الخراج و صنعة الکتابة ،قد امه بن جعفر بن

[1] حاجی خلیفہ کاتب جلبی، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون (بیروت: دار الفتح للطباعة والنشر، 1984ء) 2/1415

[2] ابن الندیم، ابوالفراج محمد بن اسحاق الوراق، الفہرست (بیروت: دارالمعرفة للطباعة والنشر، س ن) ص304، 283، 60

قدامه (م337ھ / 948ء)، الاستخراج لاحكام الخراج ،زين الدين عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلى (م795ھ ـ 1393ء)، كتاب الجزيه والخراج ،ابو نصر محمد بن مسعود العياشى۔

علماء کی ایک جماعت نے اسی موضوع پر "الاموال" کے نام سے کتب تحریر کی ہیں:

كتاب الاموال ،ابو عبيد القاسم بن سلام (م224ھ / 838ء) ؛كتاب الاموال ، ابن زنجويه حميد بن مخلد (م251ھ / 865ء)؛ الاموال والمغازى ،قاضى اسماعيل بن اسحاق (م 282ھ / 895ء)؛ كتاب الاموال ،ابو جعفر احمد بن نصر الداؤدى المالكى (م402 ھ / 1019ء)

خاص طور پر خراج کے موضوع پر ان تصانیف کے علاوہ دیگر علماء نے اپنی تصانیف میں خراج کے موضوع پر بحث کی ہے۔ مثلاً محمد بن ادریس الشافعی(م204ھ /820ء) نے "کتاب الام" میں خراج کے موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔[1]

بعض جغرافیہ والوں نے بھی اپنی کتب میں خراج کو موضوع بحث بنایا مثلاً ابو القاسم عبيدالله بن احمد ، ابن خرداذبه (م280 ھ / 893ء) تیسری صدی ہجری کا ایک مشہور جغرافیہ دان ہیں، آپ نے اپنی کتاب "المسالک والممالک " میں ہر اقلیم کی مقدار خراج کو بیان کیا ہے۔ ابو الحسن على بن محمد ، الماوردى (م450 ھ / 1058ء) نے اپنی مشہور کتاب " الاحكام السلطانية" میں بڑی وضاحت سے خراج سے موضوع پر لکھا ہے۔قاضى ابو يعلى محمد بن الحسين (م458 ھ / 1066ء) کی کتاب " الاحكام السلطانية" میں بھی محاصل کے موضوع پر بحث موجود ہے۔ابو عبدالله محمد بن عبدوس الجهشيارى (م331ھ / 942ء) نے اپنی تصنیف "كتاب الوزراء والكتاب" میں ریاست کے محاصل پر بحث کی ہے۔ تقى الدين احمد بن على المقريزى (م845ھ / 1441ء) نے " الخطط " میں مصر کے مالیاتی نظام اور خراج کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ معاصر اسلامی سکالر ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس کی کتاب "الخراج والنظم المالية للدولة الاسلامية" قومی میزانیہ پر اہم کاوش ہے۔ موضوع پر جن کتب کی فہرست پیش کی گئی ہے اس میں شامل بعض کتب اب نایاب ہیں۔ کچھ کتابیں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں اور ابھی تک شائع نہیں ہو سکیں۔ ان میں سے درج ذیل کتب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں: یحییٰ بن آدم القرشی کی کتاب الخراج، لاہور سے المکتبۃ العلمیہ نے شائع کی ہے، ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، سانگلہ ہل سے المکتبۃ الاثریہ نے شائع کی ہے، ابن زنجویہ حمید بن مخلد کی کتاب الاموال (الریاض سے المركز الملك فيصل للجوث والد راسات الاسلاميه نے شائع کی ہے، قدامہ بن جعفر بن قدامہ کی كتاب الخراج و صنعة الكتابة، لیدن، مطبع بریل سے 1306ھ میں شائع ہوئی، زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی، الاستخراج لا حكام الخراج، بیروت سے دار الکتب العلمیہ نے شائع کی۔

احکام اراضی اور ٹیکس:

امام ابو یوسف نے اپنی کتاب الخراج میں اراضی اور ٹیکسوں کے احکام کے بارے میں نبی ﷺ کے تقریباً ساٹھ ارشادات نقل کئے ہیں ان احادیث میں سے پچپن احادیث وہ ہیں جن کی سند رسول ﷺ تک پہنچتی ہے۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں جو احادیث نقل

[1] ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الام (الریاض: بیت الافکار الدولیۃ الشافعی، 2001ء)، ج2، 357

کی ہیں ان کو صحاح ستہ کے مولفین اور دیگر اہم محدثین نے اپنی کتب میں تحریر کیا ہے، ہم یہاں صرف معاشیات کے موضوع پر درج ذیل حدیث بہت اہمیت کی حامل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تزول قد ماء عبد یوم القیامة حتی یسال عن اربع ۔عن علمه ما عمل فیه وعن فیم افناه وعن ماله من این اکتسبه وفیم انفقه؟ وعن جسده فیم ابلاه ۔[1]

(قیامت کے دن انسان قدم اپنی جگہ نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اس سے چار سوال نہ کر لئے جائیں: اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کیا عمل کیا، جوانی کس مشغلہ میں پوری کی، اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور جسم کے بارے میں کہ اس کو کس مشغلہ میں بوسیدہ کیا۔)

اس حدیث کو ابو عیسیٰ الترمذی (م279ھ/892ء) نے اپنی جامع ،ابواب صفة القیامة "باب ما جا ء فی شان الحسابوالقصاص میں حضرت ابی برزہ الاسلمی سے روایت کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ **هذا حدیث حسن صحیح** ۔[2]

قومی میزانیہ کے محاصل کے اصول:

امام ابویوسفؒ نے قومی میزانیہ کی تشکیل میں کارفرما اصول محاصل کے مقاصد درج ذیل بیان کیے ہیں:

1۔ براہ راست محصولات کے دائرہ کار کو وسعت دی جائے۔

2۔ عدل کے عنصر کو فوقیت دی جائے۔

3۔ پیداوار میں اضافہ کی کوشش کی جائے۔

4۔ ٹیکس افسروں کے صوابدیدی اختیارات میں مناسب کمی کر دی جائے۔ تاکہ انہیں عوام کے استحصال کا موقع نہ ملے۔

5۔ ٹیکس چوری اور رشوت کے رجحان کو ختم کیا جائے۔[3]

قومی میزانیہ کے محاصل:

اسلامی محصول (ضریبہ) وہ محصول ہے جو اسلامی حکومت اپنے رعایا سے لیتی ہیں۔ اسلام میں غریب سے کوئی محصول نہیں لیا جائے گا بلکہ امیروں اور دولت مندوں سے محصول، زکوۃ کی شکل میں لے کر غریب عوام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حکومتی آمدنی کے لیے عُشر، جزیہ، خراج وغیرہ عوام سے وصول کیا جاتا ہے۔

مالیات عامہ:

زکوۃ:

ائمہ متقدمین میں امام ابویوسف پہلے ماہر معاشیات ہیں جنہوں نے زکوۃ پر مستقل اور خصوصی تحقیق کی ہے۔

---

[1]۔ نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل (کراچی: مکتبہ چراغ راہ، 1966ء)، ص78

[2]۔ الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، جامع الترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ابواب صفۃ (دار الفکر، الطباعۃ والنشر والتوزیع)، ج3، ص291

[3]۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد۔ (لاہور: ادارہ اسلامیات، 1998ء)، ص65-77

آپ نے کتاب الخراج میں زکوۃ اور صدقہ کی اصطلاحوں میں فرق کو مد نظر رکھا ہے۔ اگرچہ قرآن و سنت میں زکوۃ اور صدقہ کی اصطلاحات ایک ہی معنی میں استعمال ہوئی ہے اور اکثر ائمہ نے زکوۃ اور صدقہ کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ لیکن تحقیقی بات یہی ہے کہ صدقہ فرض اور زکوۃ اہم مترادف ہیں لیکن صدقہ نافلہ اور زکوۃ میں فرق ہے جیسا کہ امام محمد بن ادریس الشافعی (م204ھ /820ء) نے اس فرق کی طرف اشارہ کیا ہے:

ولا باس ان یتصدق علی المشرکه من النافلة ولیس له فی الفریضة من الصدقة حق۔[1]

(مشرک کو صدقہ نافلہ دینے میں کوئی حرج نہیں البتہ صدقہ فرض سے اس کو کوئی حصہ لینے کا حق نہیں۔)

زکوۃ کی ادائیگی اور ثروت نابالغ اور مجنون:

بچہ اور دیوانہ کے مال پر زکوۃ کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے دلائل کے لحاظ سے کمزور معلوم ہوتی ہے۔ زکوۃ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے مال میں غریبوں کا حق مقرر کیا ہے او غنی کے بالغ اور عاقل ہونے کی شرط کے بارے میں کوئی نص بھی نہیں موجود تو پھر بچہ اور مجنون سے زکوۃ کس طرح ساقط ہو سکتی ہے۔ امام ابو یوسف نے زکوۃ کو نماز پر قیاس کیا ہے حلانکہ نماز اور زکوۃ کے احکام میں اس لحاظ سے فرق ہ کہ نماز بندوں پر اللہ کا حق ہے لیکن زکوۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مالداروں کے مال میں غریبوں کے حق سے متعلق ہے۔ ابوعبید القاسم بن سلام (م224ھ /838ء) اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"والذی عندی فی ذلک ان شرائع الاسلام لا یقاس بعضها ببعض ،لا نها امهات تمضی کل واحدة علی فرضها وسنتها وقد وجدناها مختلفة فی اشیاء کثیرة"[2]

(میری رائے یہ ہے کہ اسلام کے قوانین و شرائع کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ وہ بجائے خود اصول ہوتے ہی اور ان میں سے ہر قاعدہ و قانون کو اس کی فرضیت و سنت کے لحاظ سے روبہ عمل لایا جائے گا ۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قوانین و شرائع بہت سی چیزوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔)

زکوۃ کی اصل غرض وغایت:

مصارف زکوۃ پر گفتگو کرتے ہوئے امام ابو یوسفؒ نے زکوۃ کی اصل غرض و غایت معاشرے سے غربت و افلاس کا خاتمہ اور معاشرتی بہبود کو قرار دیا ہے۔ ماہر معاشیات کی حیثیت سے آپ کا مقام بڑھ جاتا ہے جب آپ یہ رائے دیتے ہیں کہ زکوۃ میں فقراء اور مساکین کا حصہ لازمی ہے اور حاکمِ وقت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ایک شہر کے اغنیاء سے حاصل کی ہوئی زکوۃ کو کسی ایسی جگہ کے حاجت مندوں پر صرف کیا جاسکتا ہے جہاں اس شہر کی نسبت لوگوں کو حاجت زیادہ ہو مثلاً قدرتی آفات سے متاثر علاقے، سیلاب زدگان، زلزلہ زدگان وغیرہ۔ آپ کے معاشی فکر کی اہمیت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کے

[1] ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الام (الریاض: بیت الافکار الدولیۃ الشافعی، 2001ء)، ج2، ص 61

[2] محمد عثمان شبیر، احکام الخراج فی الفقہ الاسلامی (الکویت: دارالارقم، 1406ھ /1986ء)، ص454

نزدیک زکوۃ کا مقصد یہ ہر گز نہیں کہ ہر سال امراء، غرباء کو خیرات کے طور پر کچھ رقم دے دیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں اتنی زکوۃ دینی چاہیے جس سے متوسط معیار زندگی کے لوازمات پورے کر سکیں۔ اس طرح زکوۃ کے زریعے کفالت عامہ کا تصور پیش کیا ہے۔[1]

فقیر اور مسکین میں فرق:

امام ابو یوسف فقیر اور مسکین میں فرق واضح نہیں کرتے حالانکہ فقراء اور مساکین دو الگ مد آت ہیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس مال ہو نہ ہی کوئی پیشہ جانتا ہو اور مسکین وہ ہے جس کے مال تو ہو یا وہ ہنر بھی جانتا ہو لیکن اس کی گزر اوقات مشکل سے ہوتی ہو۔ خواہ وہ دوسروں سے سوال کرے یا نہ کرے۔

ابو عبد اللہ محمد بن عمر الرازی (م606ھ /1210ء) نے تفسیر کبیر میں فقیر اور مسکین کے فرق پر روشنی ڈالی ہے۔

1۔ مختلف روایات سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ فقر سے پناہ مانگتے تھے آپؐ کا ارشاد ہے:

کاد الفقران یکون کفرا۔[2]

(قریب ہے کہ غریبی اور فاقہ کشی کفر بن جائے۔)

آپؐ کا یہ فرمان بھی ہے:

اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔[3]

اگر فقیر اور مسکین میں کوئی فرق نہیں تو پھر ان دونوں ارشادات میں تناقض پیدا ہو جائے۔

2۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسکین کے لئے ضروری نہیں کہ اس کے پاس مال نہ ہو مثلاً ارشاد ربانی ہے:

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ۔[4]

لیکن ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی کہ اللہ نے انسان کو فقیر کہا ہو اور ساتھ ہی اس بارے میں کسی چیز کے مالک ہونے کا ذکر کیا ہو۔

3۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ فقیر وہ محتاج ہے جس کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی مثلاً اصحاب صفہ۔ اور مساکین وہ ہیں جو لوگوں سے سوال کرتے ہیں۔

4۔ آیت قرآنی **وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ** ۔[5] میں سائل سے مراد مسکین ہے اور محروم سے مراد فقیر ہے۔[6]

---

[1] الحضری بک، محمد بن عضیفی تاریخ التشریح الاسلامی (بیروت، دار الکتب العلمیۃ1390ھ)، ص454

[2] نملۃ، الدکتور عبد الکریم، المھذب فی علم اصول الفقہ المقارن (الریاض: مکتبۃ الرشید،1420ھ)، ص110۔

[3] ایضاً

[4] الکھف18: 79

[5] الذٰریٰت51: 19

[6] الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، المحصول فی علم اصول الفقہ (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ،1418ھ) ص107 تا110

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ تالیف قلب کے لئے غیر مسلموں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔[1] جدید دور بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ مولفتہ القلوب کی مد کو قائم رکھا جائے کیونکہ اسلام کو وہ عظمت حاصل نہیں رہی جو حضرت عمر کے دور میں تھی۔

زکوۃ کے بارے میں سورۃ التوبہ کی آیت 60 کو اور اس واقعہ کو جس میں صحابہ کا اس مد کے سقوط پر اجماع ملتا ہے ملایا جائے اور آج کل کے حالات سامنے رکھے جائیں تو ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے وہ یہ کہ قرآنی حکم میں زکوۃ کی تقسیم کا قاعدہ بطور امر قانون بیان ہوا ہے۔ جس کی تائید جب تک امر واقعہ سے نہ ہو اس وقت تک اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک امر قانون اور امر واقعہ پہلو بہ پہلو چلتے رہے لہٰذا قرآنی حکم پر عمل ہوتا رہا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں امر واقعہ، امر قانون کے مطابق نہ رہا۔ اس لئے نص پر عمل درآمد روک دیا گیا۔ اس کا منطقی نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ جب کبھی امر واقعہ میں مطابقت پیدا ہو جائے یہ مد بحال ہو سکتی ہے، یہ اسی طرح ہے کہ کسی معاشرے سے مساکین ختم ہو جائیں تو مساکین کی مد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تنگ دست قرض دار معاشرے میں نہ ہوں تو یہ خرچ کسی دوسرے مفید کام پر ہو سکتا ہے۔[2]

امام ابو یوسف نے مصارف زکوۃ کے ضمن میں غارم کی تشریح کرتے ہوئے اس کے مفہوم میں وسعت پیدا کر دی ہے کہ ڈاکٹر نور محمد غفاری کے الفاظ میں امام ابو یوسف کی رائے کو اگر مان لیا جائے تو پھر یہ مد مسلمان اغنیاء کے ان قرضوں کی انشورنس کرتی ہے جو وہ اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو بلا سود دیتے ہیں۔[3]

عشر:

امام ابو یوسف نے عشر واجب ہونے کے بارے میں پیداوار کی تخصیص کی ہے۔ معاصر عہد میں کاشتکار سبزیوں کو تجارتی مقاصد کے تحت کاشت کرتے ہیں اور وہ اناج کی نسبت سبزیوں اور دیگر نفع بخش پیداواروں سے کثیر رقم کماتے ہیں اور سائنسی ترقی کی بدولت انہیں ذخیرہ کرنا بھی ممکن ہے۔ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ مختلف قسم کا غلہ کاشت کرنے والوں سے تو عشر وصول کیا جائے لیکن سبزیوں اگانے والے کاشکار نفع بھی حاصل کریں اور انہیں عشر کی ادائیگی بھی نہ دینی پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حنفی علماء نے امام ابو حنیفہ کی رائے ہی کو پسند کیا ہے۔[4]

ابو بکر علاء الدین سمرقندی (م540ھ) اپنی کتاب "تحفة الفقهاء" میں امام ابو حنیفہ کے معاشی فکر پسند کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

---

[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، اردو مترجم مولوی عبید اللہ (لاہور: علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف، پنجاب، 1401ھ / 1981ء)، 2/45

[2] شہزاد اقبال شام، اسلام کا نظام مصارف، (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی س ن)، ص12

[3] غفاری، نور محمد ڈاکٹر، اسلام کا نظام مالیات، (ڈیرہ اسماعیل خاں: مکتبہ نعمانیہ، س ن)، ص95

[4] ابن عابدین الشامی، ردالمحتار علی الدر المختار (مصر: مکتبۃ مصطفیٰ البابی، 1386ھ / 1966ء)، 2/326

والصیح ماقاله ابو حنیفة لقوله تعالیٰ "یایها الذین امنوا انفقو ا من طیبت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض ۔[1]

(اور صحیح وہ ہے جو امام ابو حنیفہ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں کہا ہے اے ایمان والو! جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔)

ابن ابی شیبہ(م235ھ/849ء) نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز(99۔101ھ/717۔719ء) نے اہل یمن کو لکھا کہ زمین سے جو پیداوار بھی حاصل کی جائے خواہ کم ہو یا زیادہ اس سے عشر لیا جائے گا۔ محمد انور شاہ الکشمیری نے بھی "العرف الشذی " میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے مختلف عمال کو یہ تحریر بھیجی تھی کہ وہ سبزیوں پر عشر وصول کریں۔ ایک مالکی فقیہہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی(543ھ/1148ء) امام ابو یوسف کے مذہب کی تائید کرتے ہوئے شرح ترمذی میں لکھتے ہیں:

واقوی المذاهب فی المسالة مذهب ابی حنیفة دلیلا واحوطها للمساکین واولاها قیاما شکر النعمة و علیه یدل عموم الایة والحدیث ۔[2]

(عشر پیداوار اور نصاب کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا مسلک دلیل کی روشنی میں زیادہ قوی ہے مساکین کے لئے زیادہ محتاط، اللہ کی نعمت کے شکر میں سب سے بہتر ہے اور عام آیات اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔)

احمد الزر قاوی کی یہ رائے درست ہے کہ قرآن کریم اور مشہور احادیث کے مقابلہ میں اس ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں۔[3] کچھ حنفی فقہانے اس ضعیف حدیث کو رد نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حاکم اور اس کے مقرر کردہ کارندے سبزیوں کی زکوۃ نہیں لیں گے لیکن سبزیوں کے مالک اپنے طور پر اس بات کے پابند ہوں گے کہ وہ عشر ادا کریں۔[4]

زرعی پیداوار کے نصاب کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے عقل و نقل کی روشنی میں درست معلوم ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک صحیح حدیث جس کو امام بخاری نے نقل کیا ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

فیما اقل من خمسة اوسق صدقة۔[5]

(پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔)

امام بخاری بھی غالباً یہی مسلک رکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں جو باب باندھا ہے اس کا عنوان یہ ہے:"لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة "[6] امام ابو عبید نے "کتاب الاموال" میں امام ابو یوسف کے قول کی ہی تائید کی ہے۔[7] امام ابو حنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں ارشاد ہوا ہے:

---

[1] السمر قندی، علاء الدین، تحفۃ الفقہاء، تحقیق و تعلیق الدکتور محمد زکی عبد البر (قطر: ادارۃ احیاء التراث الاسلامی 2001ء)، 1/496

[2] ابن عربی، ابو بکر محمد بن عبد اللہ، عارضہ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2008ء)، 3/135

[3] البنانی، عبد الرحمٰن المغربی، حاشیۃ علی شرح المحلی علی متن جمع الجوامع للامام السبکی (مصر: مکتبۃ مصطفیٰ البابی، 1356ھ/1937ء)، ص184

[4] الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (بیروت: دار ابن حزم، لبنان1420ھ/2000ء)، 2/59

[5]۔ بخاری، ابو عبید اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ باب لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ (بیروت: دار ابن کثیر، 1423ھ)، 1/201

[6]۔ ایضاً

[7]۔ ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال (دمشق: دار الفکر، 1986ء)، ص481، 480

"فیما سقت السماء العشر "[1]

(جس زمین کو بارش کے پانی نے سیر اب کیا ہو اس میں عشر ہے۔)

لیکن یہ حدیث پانچ وسق والی حدیث کی معارض نہیں ہے۔ دونوں حدیثوں پر عمل واجب ہے اس لئے کہ حدیث (بارش کے پانی کی پیداوار میں عشر ہے) سے مقصود در حقیقت یہ واضح کرنا ہے کہ عشر کس قسم کی پیداوار میں واجب ہے۔ اور نصف عشر کس قسم کی پیداوار میں۔ اس حدیث میں نصاب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نصاب کے بارے میں آپؐ نے ایک دوسری حدیث میں وضاحت فرمائی ہے۔

جہاں تک حولان حول (ایک سال گزرنے) کی شرط نہ ہونے سے عدم نصاب کا تعلق ہے تو یہ بات پیش نظر رہے کہ زراعت میں کھیتی کٹ جانے سے نمو تام ہو جاتا ہے جبکہ دیگر اموال میں سال بھر میں نمو کا امکان باقی رہتا ہے۔ اسی لئے ایک دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ امام ابو یوسف پانچ وسق والی حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں: "والقول عندنا علی ھذا"[2] (اور ہمارے نزدیک صحیح قول یہی ہے۔) عقلی طور پر بھی امام ابو یوسف کی رائے کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ جب شریعت نے دوسرے تمام اموال میں نصاب کو مد نظر رکھا ہے تو زرعی پیداوار کا نصاب بھی مقرر ہونا چاہیے۔

دوسری طرف یہ ہے کہ صرف اغنیاء پر واجب ہے اور نصاب کی حقیقت یہی ہے کہ وہ غنا کی کم سے کم حد ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"ولا نه صدقة فيشترط فيه النصاب ليتحقق الغنى"[3]

یعنی عشر ایک صدقہ ہے لہٰذا اس میں بھی نصاب کی شرط ہوگی۔ تاکہ غناء کا تحقق ہو جائے۔

اگر زمین ٹھیکہ پر دی گئی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک عشر کی ادائیگی کاشتکار کے ذمہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک عشر پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔ اکثر ائمہ نے امام ابو یوسف کے قول پر ہی فتویٰ دیا ہے۔ محمد امین ابن عابدین (م1252ھ/1836ء) نے اپنے عہد کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ کے قول کو تسلیم کیا جائے تو اس سے اوقات کی اراضی پر ظلم ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے اپنا موقف اس طرح پیش کیا ہے:

وقد وقعت هذه الحادثة فى زماننا وتكرر السوال عنها وملت فيها الى الجواب بقول الا ما مين لا نه قول مصحح ايضا۔۔ولا نه يلزم على قول الامام فى زماننا حصول ضرر عظيم على جهة الاوقاف و غير ها لا يقول به احد و ذلك انه جرت العادة فى زماننا ان اصحاب التيمار والزعماء الذين هم وكلاء مولانا السلطان نصره الله تعالى يا خذون العشر و الخراج من المستاجرين و كذاجرت العادة ايضا ان حكام السيا سة ياخذون الغرامات الواردة على الاراضى من المستاجرين ايضا وغالب القرى والزارع اوقاف والمستاجر بسبب ما دكرناه لا يستاجر الارض الا باجرة يسيرة جدا فقد تكون قرية كبيرة اجرة مثلها اكثر من الف درهم فيستاجرها بنحو عشرين درهما لما ياخذه منه حكام السياسة من الغرامات الكثيرة ولما يا خذه اصحاب التيمار فانا جر المتولى هذه القرية بعشرين درهما فهل

---

[1] ۔ البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، ایضاً

[2] ۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص57

[3] ۔ المرغینانی، برھان الدین ابی الحسن، الھدایۃ (کراچی: مکتبۃ البشریٰ، 1428ھ)، ج2، ص79

يسوغ لا حد ان يفتى صاحب العشر باخذ عشر ما يخرج من جميع القرية من المتولى هذا شئ لا يقول به احد فضلا عن امام الائيمة ومصباح الامة ابى حنيفة النعمان رحمة الله تعالى بل الواجب ان ننظر الى اجرة مثل هذه القرية ۔۔فاذا امكن المتولى ان يوجر ما بالا جرة الوافرة فح نفتى بقول الامام واذا كان لا يمكنه ذلك بان كان لا يرضى احد ان يستاجر ما الا بالاجرة القليلة لجريان العادة باخذ العشر منه بتعين الافتاء بقول الامامين هذا هو الانصاف الذى لا يتاتى لا حد فيه خلاف ۔[1]

(اور یہ واقعہ ہمارے زمانے میں پیش آیا اور بار بار ہم سے پوچھا گیا۔میں نے اس میں صاحین کا موقف اختیار کیا ہے کیونکہ وہ بڑا صحیح قول ہے۔اور یہ اس لئے کہ ہمارے زمانے میں امام ابوحنیفہ کے قول کے عمل کرنے سے اوقات کی اراضی پر ظلم عظیم ہوگا۔جس کا کوئی قائل نہیں۔بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کا دستور ہے کہ سلطان (اللہ اس کی مدد کرے) کے کارندے مستاجرین سے عشر وخراج وصول کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ رسم بھی چل نکلی ہے کہ ارباب سیاست زمین پر جو تاوان وغیرہ ہوتے ہیں مستاخرین سے وصول کرتے ہیں دیہات اور اراضی زیادہ تر اوقات سے تعلق رکھتے ہیں کہ مستاجر بہت تھوڑی رقم کے معاوضہ میں زمین اجارہ پر لیتا ہے۔ایک بڑا گاؤں جس کا اجارہ ہزار درہم سے بھی زیادہ ہونا چاہیے وہ صرف بیس درہم کے عوض لیتا ہے۔کیونکہ حکام اکثر مستاجرین سے تاان وغیرہ کثرت سے وصول کرتے ہیں جب مالک یہ پورا گاؤں بیس درہم کے عوض دے دے تو کوئی مفتی یہ فتوی کیونکر صادر کر سکتا ہے کہ عشر وصول کرنے والا پورے گاؤں کا عشر مالک سے وصول کرے۔کوئی شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتا امام ائمہ ومصباح الامہ امام ابوحنیفہؒ فتوی دیتے۔نہایت ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اکثر حالات میں ایسے گاؤں کا معاوضہ کیا ہوتا ہے جب مالک زیادہ اجارہ وصول کرے گا تو ہم امام کے قول پر فتوی دیں گے اور اگر ایسا ممکن نہیں اور کوئی شخص زیادہ اجارہ دینے کے لئے تیار نہیں کیونکہ حسب عادت اس سے عشر وصول کیا جاتا ہے اس صورت میں صاحین کے قول پر فتویٰ دینا ضروری ہوگا۔یہ انصاف کی بات ہے۔جس میں مجال اختلاف ہے۔)

امام ابوعبید[2] اور احمد رضاخاں (م1340ھ/1922ء) کی تحقیق بھی امام ابویوسف کی رائے کے مطابق ہے شہد پر عشر واجب ہونے کے بارے میں امام ابویوسف کی رائے شریعت کے منشاء کے قریب ہے اگرچہ جمہور فقہا کی یہ رائے درست ہے کہ شہد کے متعلق کوئی صحیح حدیث آپؐ سے ثابت نہیں لیکن بہت سی ضعیف احادیث مل کر قوی بن جاتی ہیں۔نیز شہد چونکہ درختوں اور پھلوں سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا ذخیرہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اس پر عشر واجب ہو۔محمد بن علی الشوکانی (م1250ھ/1834ء) نے "نیل الاوطار" میں یہی رائے دی ہے۔[3] جمہور کی یہ دلیل کہ دودھ میں ازروئے اجماع زکوۃ نہیں تو اس کا جواب ابن قدامہ نے یہ دیا ہے کہ دودھ کی زکوۃ اس کی اصل یعنی حیوانات سائمہ میں واجب ہے۔بخلاف شہد کے[4] ناقابل پیمائش چیزوں کے نصاب کے بارے میں امام ابویوسف کی رائے ان کی اعلیٰ اقتصادی بصیرت پر دلالت کرتی ہے ظاہر ہے کہ شارع نے جب

---

[1] ۔ابن عابدین الشامی، مجموعہ رسائل (مصر: مکتبۃ مصطفیٰ البابی،1396ھ) 2/142-143

[2] ابوعبید، الاموال، ص119

[3] الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول (مصر: مکتبۃ مصطفیٰ الحلبی،1356ھ/1937ء)،4/156

[4] ابن قدامۃ المقدسی، ابومحمد عبداللہ بن احمد، المغنی (الریاض: دار عالم الکتب،1417ھ)،2/577

ان چیزوں کے نصاب کے بارے میں وضاحت نہیں کی تو ان کے نصاب کا اعتبار دوسری چیزوں کے ذریعہ ہی کیا جائے گا۔اور جن چیزوں کو ناپا جاسکتا ہو ان کی قیمت کو ایسی چیزوں کے نصاب کے تعین کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

امام ابو یوسف جب یہ رائے دیتے ہیں کہ قیمت کا اعتبار کرنے میں سب سے زیادہ کم قیمت والی چیز مثلاً جا ملکئ، وغیرہ کو معیار بنایا جائے تو اس سے وہ حاجت مندوں کو زیادہ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔پیداواری اخراجات عشر کی ادائیگی سے قبل منہا کئے جائیں گے یا نہیں؟ اس بارے میں فتاویٰ عالمگیری کے مولفین کا رجحان ابو یوسف کے معاشی فکر کے مطابق ہے۔چنانچہ اس میں یہ لکھا گیا ہے کہ کام کرنے والوں کی اجرت نہر کھودنے اور بیلوں کا خرچ، محافظ کی اجرت اور دیگر اخراجات پیداوار سے منہا نہیں کئے جائیں گے بلکہ کل پیداوار میں سے عشر یا نصف کی ادائیگی کی جائے گی۔[1]

صدقہ فطر:

صدقہ فطر کے نصاب کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے کے بر عکس جمہور فقہا کے رائے صدقہ فطر کے فلسفہ سے ہم آہنگ ہے شارع نے اس کی دو بڑی حکمتیں بیان کی ہیں یعنی اس کے ذریعہ ایک مسلمان روزہ دار کو لغو باتوں سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور مساکین کو عید کی خوشیوں میں شریک کیا جاتا ہے یہ صدقہ دوسرے فرض صدقات کے مقابلے میں اس لحاظ سے مختلف ہے کہ دیگر صدقات مختلف اموال پر عائد ہوتے ہیں اس لئے ان اشیاء کا نصاب بھی ضروری ہے۔لیکن صدقہ فطر افراد پر عائد ہوتا ہے اس لئے یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس کا نصاب نہ ہو۔ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

"علی کل حرو عبد دکر او انثی صغیر اوکبیر فقیر اوغنی صاع من تمراو نصف صاع من قمع "[2]

(ہر آزاد اور غلام، مرد یا عورت، چھوٹا یا بڑا، فقیر یا مالدار اس پر ایک صاع کھجور یا نصف صاع گندم ہے۔)

امام ابو یوسف کا یہ نظریہ کہ صدقہ فطر کی ادائیگی کے لئے آٹا گندم سے بہتر اور نقد رقم آٹے سے بہتر ہے بہت مناسب ہے اس طرح غرباء و مساکین اپنی حاجات بہتر طریقہ سے پوری کر سکتے ہیں۔اگر محتاج آدمی کو نقد رقم مل جائے تو وہ اپنی ضروریات کی دیگر اشیاء خرید سکتا ہے حجرت عمر بن عبد العزیز اور حسن بصری سے یہی منقول ہے۔[3] ابو جعفر الطحاوی نے ابو یوسف کی اس رائے کو پسند کیا ہے۔[4] دور حاضر میں بالخصوص وہ صنعتی علاقے جہاں نقدی کے ذریعے ہی لین دین ہوتا ہے وہاں ابو یوسف کی رائے پر عمل کرنے سے فقراء کے لئے آسانی ہے۔

---

[1] لجنۃ من وعلماء الھند، فتاوی، عالمگیری 1/185

[2] احمد بن حنبل، المسند (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1983ھ)، حدیث نمبر 7710

[3] ابن قدامہ المقدسی، المغنی، 2/662

[4] المرغینانی، الھدیۃ، 210

عشری اور خراجی زمینیں:

امام صاحب نے عشری اور خراجی زمینوں پر بحث کرتے وقت بڑے احسن طریقہ سے عشری زمینوں کو خراجی زمینوں سے ممتاز کر دیا ہے لیکن جب وہ کہتے ہیں کہ وہ تمام زمینیں جن کے مالک مسلمان ہو گئے ہوں، عشری زمین ہے خواہ وہ جزیرہ العرب میں ہو یا اس سے باہر تو وہ جزیرہ العرب سے باہر کی عشری زمین کی کوئی مثال بیان نہیں کرتے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد لکھتے ہیں:

> Neither Abu Yusuf,nor any other authority gives any anstance of Ushr land out side Arabian Peninsula on this score .[1]

(نہ ہی امام ابو یوسف اور نہ ہی دوسرا مستند اس بنیاد پر جزیرہ العرب سے باہر عشری زمین کی کوئی ایک مثال دیتا ہے۔)

امام ابو یوسف جب حاکم کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ عشر یا خراج دونوں میں سے کوئی ایک عائد کر سکتا ہے تو اس سے ان کا مقصد بیت المال کے ذرائع آمدن میں اضافہ کرنا ہے یعنی اگر حاکم یہ محسوس کرے کہ ایسی زمینوں پر عشر لینے کی صورت میں ملکی خزانہ میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا اور حکومت کو اخراجات کے لئے رقم کی ضرورت ہے تو عشر کی بجائے خراج بھی عائد کر سکتا ہے اس طرح امام ابو یوسف نے کسی ریاست کی معاشی بدحالی کو ترقی میں بدلنے کے لئے قانونی تحفظ مہیا کیا ہے۔

عشور:

امام ابو یوسف کا عشور (غیر مسلم تاجروں پر ٹیکس) غیر مسلموں سے حرام چیزوں مثلاً سور اور شراب کے کاروبار کا ٹیکس لیا جائے گا اور اسے بیت المال میں جمع کرایا جائے گا لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ نظریہ اسلام کے مجموعی مزاج سے ہم آہنگ نہیں، ایک اسلامی ریاست میں صرف حلال اشیاء اور حلال کاموں پر ہی ٹیکس عائد کیے جاسکتے ہیں۔ حرام اشیاء اور حرام کاموں پر ٹیکس نہیں لیا جاسکتا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے فرامین بھی اس ضمن میں ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ امام ابو عبید اپنی تصنیف کتاب الاموال میں حضرت عبد اللہ بن ہیرہ سبائی کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ عتبہ بن فرقد نے حضرت عمر کو شراب کا ٹیکس وآول کر کر چالیس ہزار درہم بھیجے۔ اس پر حضرت عمر نے انہیں لکھا کہ "تم نے مجھے شراب کا ٹیکس بھیج دیا حالانکہ مہاجرین کے مقابلہ میں تم اس کے زیادہ حقدار تھے۔ پھر آپ نے فرمایا۔" بخدا اس کے بعد میں تمہیں کسی چیز کی خدمت کے لئے مامور نہ کروں گا۔[2]

جزیہ:

جزیہ کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی فکر کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ نے اس پر بحث کرتے وقت ان قوانین کو پیش نظر رکھا ہے جو جدید دور کے ماہرین معاشیات کے نزدیک ایک اچھے ٹیکس کے لئے ضروری ہیں۔ ایک ٹیکس کو درج ذیل قوانین کا پابند ہونا چاہیے۔

1۔ قانون معدلت 2۔ قانون تیقن 3۔ قانون سہولت 4۔ قانون کفایت 5۔ قانون تغیر پذیری

وہ ٹیکس جس میں یہ خوبیاں موجود نہ ہوں ماہرین کے نزدیک ناقص ٹیکس کہلاتا ہے۔ امام ابو یوسف نے جزیہ کو معاشی حیثیت سے ایک نہایت ہی عمدہ ٹیکس کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک مذکورہ بالا قوانین کی خلاف ورزی سے ذمی رعایا کی معاشی ترقی و خوشحالی کو

---

[1] Ziauddin Ahmed, *Ushr and Ushr Land* (Journal of Islamic Studies ,Summer 1980, Islamic Research Institute press) p. 86

[2] ابو عبید ،الاموال ،ص41

ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ قانون معدلت کا مفہوم بھی یہی ہے کہ رعایا سے ان کی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس لیا جائے امام ابو یوسف نے اس قانون کو مد نظر رکھتے ہوئے عوام کے مختلف طبقات کی مالی حالت کے مطابق مختلف شرح سے ٹیکس تجویز کیا ہے۔ قانون تیقن کا یہ مفہوم یہ ہے کہ جو ٹیکس عائد کیا جائے اس کی قانونی حیثیت مقدار ادائیگی کا وقت، طریقہ ادائیگی وغیرہ سب امور واضح ہوں۔

امام ابو یوسف نے قانون سہولت کو بھی مد نظر رکا ہے وہ جزیہ کی ادائیگی کا طریقہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ نقدی کے علاوہ جانور سامان اور پیشہ کی ہر چیز جزیہ کے طور پر دی جاسکتی ہے۔ صرف مردار سور اور شراب پیش نہیں کی جاسکتی۔

قانون کفایت سے مراد یہ ہے کہ ٹیکس وہندگان پر اتنا ہی ٹیکس لگایا جائے جو سرکاری اخراجات کے لئے کافی ہو، ٹیکسوں کی وصولی پر اتنی رقم خرچ نہ کر دی جائے۔ جس سے اصل رقم کا ایک بڑا حصہ ختم ہو جائے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک جزیہ کسی چیز کا محصول نہیں بلکہ مالی امداد ہے تاکہ اسلامی ریاست ذمی رعایا کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے سکے۔ اس سے بحیثیت ایک معاشی مفکر کے ان کی مثبت اور اعلی سوچ کی نشاندہی ہوتی ہے جو غیر مسلم رعایا کے احترام کے متعلق ان کے دل میں موجود تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے ان اعتراضات کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے جو جزیہ کے بارے میں کئے گئے تھے۔ ایسا محصول جا مالی امداد ہو کسی کی دل آزاری یا ذلت کا باعث نہیں ہو سکتا۔

لقطہ اور لاوارث ترکے:

لقطہ اور لاوارث ترکے کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے بہت وزن رکھتی ہے کیونکہ اس طرح اسلامی ریاست غرباء اور محتاجوں کی بہتر طریقہ سے مدد کر سکتی ہے۔ ابو یوسف کے نزدیک کفالت عامہ اسلامی ریاست کی اہم معشی ذمہ داری ہے اس لئے اسلامی ریاست ہی ایسے مال کی مالک ہے تاکہ ضرورت مند افراد کی مدد کی جاسکے۔

مصارف کے اصول:

1۔ مصارف بہترین معاشرتی فائدے کے اصول پر پورے اترتے ہوں۔ بیت المال کا ایک ایک روپیہ معاشرے کی بہتری کے لئے خرچ کیا جانا چاہیے نہ کہ کسی خاص گروہ پر خرچ کر دیا جائے۔ اس ضمن میں معاشرے کے مختلف طبقات میں امتیاز روا نہیں رکھنا چاہیے۔ بلکہ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ فلاح عامہ کے تقاضے پورے ہوں۔

2۔ حکام کو چاہیے کہ وہ ہر قسم کی فضول خرچی سے بچیں۔ جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی بیت المال کی آمدنی، کفایت شعاری کے اصول کے مطابق خرچ کرنی چاہیے۔

3۔ سرکاری مصارف کے ذریعے پیداوار اور تقسیم دولت کے اچھے اثرات مرتب ہونے چاہئیں۔

4۔ غیر منصفانہ تقسیم دولت کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

وقف:

وقف کے لازم ہونے کے سلسلہ میں امام ابو یوسف نے اپنے استاد امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ سے چند مقامات پر اختلاف کیا ہے وہ عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں زیادہ قرین صواب ہے کیونکہ وقف کا لفظ ہی اپنے خاص معنی و مفہوم میں اس کے لزوم اور ابدیت پر دلالت

کرتا ہے نیز ان کی رائے اسلام کے عمومی مزاج سے بھی ہم آہنگ ہے۔ امام ابو حنیفہ کی رائے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نظر صرف فرد کے مفاد یا احترام حریت پر ہے جبکہ امام ابو یوسف کے فکر کو اختیار کرنے سے فرد کے مقابلے میں جماعت اور معاشرہ کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ اسلام بھی فرد کے مقابلے میں اجتماعی مفاد کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:

"والعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم و غیر هم لا تعلم بین المتقدمین منهم فی ذلک اختلافا فی اجارة وقف الارضین وغیر ذلک"۔[1]

(اور نبی ﷺ کے اصحاب اور ان کے علاوہ اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ ہم زمین وغیرہ کو وقف کرنے کی اجازت دینے کے بارے میں متقدمین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتے۔)

نتائج:

- قومی میزانیہ معاشی، سیاسی اور تکنیکی بنیادوں پر تشکیل پاتا ہے۔
- قومی میزانیہ میں معاشرے کے تمام شعبہ جات کے افراد کی بہبود کا خیال رکھا جاتا ہے اور تمام افراد کو یکساں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔
- اسلام مساوی معاشی حقوق (حق معیشت میں مساوات) کی بات کرتا ہے۔
- فرد معاشرے کی بنیادی اکائی ہے جس کی خوشحالی معاشرے کی خوشحالی کا نقطہ آغاز ہے۔ ہر فرد کو قومی وسائل سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہے تاکہ وہ معاشرے کی ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکے۔ اس کے لئے قومی میزانیہ میں تمام شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے افراد کا خیال رکھنا ضروری ہے۔
- افراد کے ذہنوں میں خدا کا صحیح تصور اور عقیدۂ آخرت کی اہمیت پر زور دیا جائے۔ تاکہ لوگ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے افعال میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے تصور کو مردہ نہ ہونے دیں اور صحیح نصب العین اور اعلیٰ و ارفع اقدارِ حیات کے حصول کی خاطر کوشاں رہیں۔
- دورِ حاضر میں ذرائع ابلاغ عوامی رجحانات کو بدلنے اور نیا رخ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں لہذا ان ذرائع کے ذریعے دینی اقدار اور اسلامی طرزِ حیات کی تفہیم کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے اور معاشرے کا اجتماعی شعور بیدار کیا جائے۔

[1]۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسی، جامع الترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الوقف 1/256۔